OPEN ACCESS
MA'ARIF-E-ISLAMI (AIOU)
ISSN (Print): 1992-8556
ISSN (Online): 2664-0171
https://mei.aiou.edu.pk

پرامن بقائے باہمی کے قرآنی اصول: مفسرین کی آراء کا تجزیاتی مطالعہ

ڈاکٹر محمد ارشد قیوم
اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ اسلامیات، ہائی ٹیک یونیورسٹی، ٹیکسلا
ڈاکٹر حافظ محمد ارشد اقبال
اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ قرآن و تفسیر، کلیہ عربی وعلوم اسلامیہ، علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد

Abstract

This paper aimed to present the Islamic Principles for peaceful co-existence. Islam is the religion of peace. The word "Islam'' in Arabic is "سلم", which means absolute obedience to Allah's power and decree. Personal peace can be attained by totally Submitting of one self to Allah. Islam gives special importance to reconciliation and harmony and consider it crucial for all social and international relations. For establishing a peaceful co-existence in society Islam teaches that peace is achieved to obey the principles lay down by The Holy Quran and The Sunnah of Holy Prophet(SAW). These principles are, tolerance, forgiveness, responding evils to good, proactive good deeds that bring happiness to others, and freedom of religion (non compulsion in religion). Islam encourages all kinds of attempts for initiating peace and harmony in all divergent areas, and curb all those edges that can destroy peace and spread unrest in society. Islam promotes love, peace, harmony, mercy, patience, and emphasizes on creating a peaceful society for mankind.

Keywords: Forgiveness, Tolerance, Freedom, peace, Society, Islamic Principals

امن کی بنیاد باہمی برداشت اور رواداری پر ہے۔"برداشت" فارسی زبان کا لفظ ہے، جس کے مفہوم میں دوسرے کو سہارا دینا، بوجھ اٹھانا اور قبول کرنا شامل ہیں۔اسی سے "بردبار" ہے، جس کا مطلب "بوجھ اٹھانے والا" اور "سہنے والا" کے ہیں۔عربی میں اس کے لئے "تحمل" کا لفظ استعمال ہوتا ہے، جو "حمل" سے ہے، اس کا مطلب بھی "بوجھ" اور "بوجھ اٹھانا" ہے۔اور "رواداری" کا مفہوم کسی کام کو جائز رکھنا، روا رکھنا اور رعایت برتنا ہے۔اسی سے "روادار" ہے، یعنی جائز رکھنے والا، رعایت برتنے والا اور مباح رکھنے والا۔[1]

امن خواہ گھر کا ہو، معاشرے کا ہو یا عالمی، اس کے قیام وبقا کے لئے انہی دو صفات کا ہونا ضروری ہے۔جب افراد و اقوام باہمی ایک دوسرے کو برداشت کرنے، اور ایک دوسرے کے ساتھ رعایت برتنے کا جذبہ اپنے اندر پیدا کریں گے تو امن قائم ہوگا۔بدامنی اور جنگ کی کیفیت اسی وقت پیدا ہوتی ہے جب افراد و اقوام میں سے ایک دوسرے کے لئے برداشت اور رعایت کا جذبہ ختم ہو جاتا ہے۔

اسلام، جس کا مادہ "سلم" ہے، سلامتی کا دین ہے۔اسلام قبول کرنے کو "ایمان" کہا جاتا ہے۔جو "امن" سے ہے۔مسلمان اپنے لئے سلامتی والی راہ اختیار کرتا ہے، اور اسی طرح کی سلامتی و امن دوسروں کے لئے عام کر دیتا ہے۔اسماء الحسنی

میں ایک نام "السلام" بھی ہے ﴿السَّلَامُ الْمُؤْمِنُ الْمُهَيْمِنُ ﴾[2] اسی لفظ "سلام" کو دین اسلام کا شعار (علامت) بنایا گیا ہے، کہ باہمی ملاقات کے وقت اس سے ایک دوسرے کو ہر طرح کی مصیبت وآفت سے سلامتی کی دعا دی جائے۔﴿فَإِذَا دَخَلْتُم بُيُوتًا فَسَلِّمُوا عَلَى أَنفُسِكُمْ تَحِيَّةً مِّنْ عِندِ اللَّهِ مُبَارَكَةً طَيِّبَةً﴾[3]

اسی کے ساتھ قرآن حکیم نے یہ حکم بھی دیا ہے کہ کہ جب تم پر کوئی سلام بھیجے تو اسے جواب میں اس سے بہتر الفاظ میں سلامتی کی دعا اور ضمانت دو﴿وإِذَا حُيِّيْتُم بِتَحِيَّةٍ فَحَيُّواْ بِأَحْسَنَ مِنْهَا أَوْ رُدُّوهَا ﴾[4] (اور جب تمہیں سلام کیا جائے تو تم اس سے اچھا جواب دو یا انہی الفاظ کو لوٹا دو)۔اسلام اس دعا کو عام کرنے میں کسی مذہب و عقیدہ کو خاص نہیں کرتا، بلکہ یہ حکم دیتا ہے کہ جو کوئی تمہیں سلام کرے، بلا تحقیق و تفریق مذہب اسے اسی طرح سلامتی کی دعا دو۔﴿ وَلاَ تَقُولُواْ لِمَنْ أَلْقَى إِلَيْكُمُ السَّلاَمَ لَسْتَ مُؤْمِنًا﴾[5]

آپ ﷺ نے سلام بھیجنے کو بہترین عمل قرار دیا ہے۔آپ ﷺ سے پوچھا گیا کہ سب سے بہتر اعمال کون سے ہیں؟ تو آپ نے جواب ارشاد فرمایا کہ ((تُطْعِمَ الطَّعَامَ وَتَقْرَأَ السَّلَامَ عَلَى مَنْ عَرَفْتَ, وَمَنْ لَمْ تَعْرِفْ))[6]۔اور یہی سلام جنت میں اہل جنت کے لئے تحفہ ہے۔قرآن کریم کا ارشاد ہے کہ ﴿ وَأُدْخِلَ الَّذِينَ آمَنُواْ وَعَمِلُواْ الصَّالِحَاتِ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِن تَحْتِهَا الأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا بِإِذْنِ رَبِّهِمْ تَحِيَّتُهُمْ فِيهَا سَلاَمٌ﴾[7]

(جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کیے وہ ان جنتوں میں داخل کیے جائیں گے جن کے نیچے چشمے جاری ہیں، انہیں ہمیشگی ہو گی اپنے رب کے حکم سے، جہاں ان کا خیر مقدم سلام سے ہو گا)۔

گویا اسلام سراپا سلامتی ہے۔ ضمیر کی سلامتی سے عالم گیر سلامتی تک۔ نام کی سلامتی سے شعار کی سلامتی تک۔ حتیٰ کہ اس کا نزول بھی سلامتی والی رات میں ہے۔﴿ سَلَامٌ هِيَ حَتَّى مَطْلَعِ الْفَجْرِ﴾[8] (سراسر سلامتی ہے اس رات فجر کے طلوع ہونے تک)

مذہب کے حوالے سے دنیا کے دو حصے ہیں۔ایک مسلمانوں (امت مسلمہ) پر مشتمل ہے، اور دوسرا غیر مسلم (امت غیر مسلمہ) ہے۔اسلام ہر دو (امت مسلمہ و غیر مسلمہ) کے درمیان امن کے قیام اور بقا کے لئے ہدایات دیتا ہے۔

امت مسلمہ کا اندرونی امن

اسلام اہل ایمان کو پرامن زندگی کے لئے باہمی برداشت اور رواداری کی تلقین کرتے ہوئے کچھ راہنما اصول مقرر کرتا ہے، جو درج ذیل ہیں:

1۔مساوات

قرآن حکیم اہل ایمان کو آپس میں بھائی بھائی بناتا ہے۔اور یہ بھائی چارہ ہر طرح کی ذات پات، رنگ و زبان کے اختلاف اور جغرافیائی حد بندیوں سے بالا ہے۔﴿ إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ إِخْوَةٌ ﴾[9] (مومن ایک دوسرے کے بھائی ہیں)۔آپ ﷺ نے میدان عرفات میں آخری خطبے کے موقع پر فرمایا: " لوگو! تمہارا رب ایک ہے، تم حضرت آدم کی اولاد ہو۔رب کے ہاں تم میں

زیادہ عزت والا وہ ہے جو زیادہ پرہیزگار ہے۔ یادرکھو کسی عربی کو عجمی پر، گورے کو کالے پر، کوئی برتری حاصل نہیں، سوائے پرہیزگاری کے۔ جان لو سب مسلمان بھائی چارے کے بندھن میں ہیں۔"[10]

2۔احترام رائے

اصول دین مکمل و طے شدہ ہیں۔البتہ ان کی تعبیر و تشریح (فروعات) میں اختلاف واقع ہوا ہے، جو ایک فطری امر ہے کہ جہاں غور و فکر اور تدبر کرنے والے ذہن موجود ہوں، وہاں اختلاف رائے واقع ہوتا ہے۔اسلام انسانی ذہن کو مقید نہیں کرتا بلکہ غور و فکر اور تدبر کی تلقین کرتا ہے جس کی نشاندہی کتاب اللہ میں متعدد بار کی گئی ہے

﴿أَفَلَا يَتَدَبَّرُونَ الْقُرْآنَ أَمْ عَلَى قُلُوبٍ أَقْفَالُهَا ﴾[11]

(کیا یہ لوگ کتاب اللہ میں تدبر نہیں کرتے یا ان کے قلوب مقفل ہیں)

﴿ وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْآنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِن مُّدَّكِرٍ﴾[12]

(اور یقیناً ہم نے اس کتاب کو پند و وعظ کے لیے آسان کر دیا، تو ہے کوئی جو (غور و فکر کرے) سوچے سمجھے)۔

انسانی زندگی کے تمام میدانوں میں غور و فکر ہی سے ترقی کی راہیں کھلتی ہیں اور مشکلات میں آسانیاں پیدا ہوتی ہیں۔دین کے معاملے میں بھی اس بنیاد پر پیدا ہونے والا اختلاف وحدت امت کے منافی نہیں ہے، اس سے شرعی احکام میں وسعت اور سہولتیں پیدا ہوتی ہیں۔اختلاف نہ ہونے کی دو ہی شکلیں ہو سکتی ہیں۔پہلی: جب معاشرے میں کوئی صاحب بصیرت اور اہل الرائے ہی موجود نہ ہو، ایک جو کچھ کہہ دے سب اسے بلا سوچے سمجھے مان لیں۔اور دوسری یہ کہ لوگ اپنے ضمیر کے خلاف اپنی رائے کو دبالیں۔یہ دونوں صورتیں ترقی کی قاتل ہیں۔ لہٰذا مافی الضمیر کا بلا جھجھک اظہار کیا جائے اور دوسرے کی رائے کو صبر و برداشت کے ساتھ سنا جائے، کہ یہی رویہ معاشروں کو متحرک (Dynamic) رکھتا ہے۔اسی لئے جمہوری معاشروں کی اسمبلیوں میں حزب اختلاف کا وجود ضروری ہوتا ہے۔

ایسے ہی اختلاف کی مثال ہمیں عہد رسالت میں بھی ملتی ہے جس میں آپ ﷺ نے صحابہ سے کوئی سوال نہیں کیا۔ حدیث میں ہے آپ ﷺ نے غزوۂ احزاب سے واپسی پر ایک دستے کو بنی قریظہ کی بستی کی طرف جانے کا حکم دیا، اور ہدایت کی کہ ((لَا يصلين أحد مِنْكُم الْعَصْر إِلَّا فِي بني قُرَيْظَة)) (تم میں سے ہر ایک بنو قریظہ کی بستی میں پہنچ کر نماز عصر ادا کرے)۔ لیکن جب عصر کا وقت راستے میں ہو گیا تو کچھ نے آپ کے ارشاد کا منشاء سمجھتے ہوئے کہ آپ کی ہدایت کا مقصد اتنا تیز چلنا تھا کہ عصر تک بنو قریضہ میں پہنچ جائیں، جب تیز نہیں چلا جا سکا تو عصر کی نماز راستے ہی میں ادا کر لی۔ کچھ نے آپ کے حکم کے ظاہری الفاظ پر عمل کرتے ہوئے بستی میں پہنچ کر نماز عصر قضاء ادا کی۔ صحابہ (رضی اللہ عنہم) کے متفرق طرز عمل پر آپ ﷺ نے دونوں دستوں کو کچھ نہ کہا۔ (فذكر ذلک للنبی ﷺ ولم يعنف)۔[13]

ایسا اختلاف رائے آئمہٴ مسالک (ابو حنیفہ، مالک، شافعی، احمد بن حنبل رحمہم اللہ) میں بھی تھا، اور اب بھی مختلف فقہ کے پیرو کاروں میں اختلاف موجود ہے۔ ان آئمہٴ عظام نے اپنے اس اختلاف کو دین کا اختلاف نہیں بنایا، اسے رائے ہی کا اختلاف قرار دیا۔ اور ایک دوسرے کی رائے کا احترام کرتے ہوئے ہر ایک کے لئے رائے کے اظہار اور اس پر عمل کے حق کو تسلیم کیا۔

عباسی خلیفہ منصور نے امام مالکؒ سے کہا "میری آرزو ہے آپ کی کتاب (مئوطا) کی نقلیں تیار کر کے علاقوں میں بھیج دوں، اور حکم دے دوں کہ لوگ صرف آپؒ ہی کی رائے پر عمل کریں، کسی دوسرے کی رائے کو اختیار نہ کریں"۔ امام مالکؒ نے اس تجویز کو رد کرتے ہوئے کہا کہ "ایسا ہر گز نہ کیا جائے، کہ لوگوں کے پاس دوسرے علماء کی آراء و اقوال بھی موجود ہیں، اور ہر آبادی کے باشندوں کی مرضی ہے کہ وہ جس رائے کو چاہیں اختیار کر لیں"۔ خلیفہ ہارون الرشید نے بھی امام مالکؒ کو کہا تھا کہ مئوطا (امام مالکؒ کی کتاب جس میں انہوں نے احادیث اور اقوال صحابہؓ جمع کئے ہیں) کو کعبہ پر لٹکا دیا جائے اور عوام کو پابند کر دیا جائے کہ وہ اپنے معاملات میں صرف مئوطا پر اعتماد کریں لیکن آپؒ راضی نہ ہوئے اور کہا کہ خود صحابہؓ کا بھی فروعات میں اختلاف تھا، انہی کی آراء پر فقہاء نے رائے دی ہے۔ اور ہر صحابی کو عمل پیرا ہونے کا حق ہے۔[14]

امام محمد بن ادریس الشافعیؒ (متوفی204ھ) کے مسلک کے مطابق جہری نمازوں میں تسمیہ اونچی آواز سے پڑھی جاتی ہے اور فجر میں قنوت بھی پڑھی جاتی ہے۔ جب وہ کوفہ آئے اور امام ابو حنیفہؒ کی مسجد میں نماز فجر کی امامت کی تو نماز میں نہ تو بلند آواز سے بِسْمِ اللهِ پڑھی اور نہ ہی قنوت۔ لوگوں کے سوال کرنے پر آپؒ نے کہا کہ میں نے اپنا مسلک نہیں چھوڑا، چونکہ یہ دونوں عمل امام ابو حنیفہؒ کے مسلک میں نہیں ہیں تو میں نے ان کے مزار کے پاس ان کی مسجد میں ان کے احترام میں انہیں چھوڑا ہے۔[15]

غور کیجئے! بانیان مسالک کا باہمی ادب و احترام مثالی تھا اور اسی احترام کا درس انہوں نے اپنے مقلدین کو بھی دیا تھا، حتیٰ کہ بعض ایسے معاملات میں بھی انہوں نے دوسرے فقیہ کی اس رائے کو برداشت کیا اور اس پر عمل بھی کیا جو ان کے نزدیک ناجائز تھی۔

امام احمد بن حنبلؒ (متوفی241ھ) سے پوچھا گیا کہ کیا اس شخص کی اقتدا میں نماز پڑھنی جائز ہے جس کی وضو کرنے کے بعد نکسیر پھوٹی ہو، اور دوبارہ وضو نہ کیا؟ تو آپ نے جواب دیا "میں سعید بن المسیبؒ کی اقتداء میں نماز پڑھنے سے کیسے انکار کر سکتا ہوں"[16] (امام احمد بن حنبلؒ کی رائے میں خون کے بہنے سے وضو ساقط ہو جاتا ہے جبکہ مالکی مسلک کے مطابق ایسی صورت میں وضو نہیں ٹوٹتا۔ وہ اس معاملے میں مدینہ کے سب سے افضل تابعی سعید بن المسیبؒ (متوفی94ھ) کی رائے کو ترجیح دیتے تھے۔

اسی طرح کا واقعہ حنفی فقیہہ و قاضی امام ابو یوسفؒ (متوفی 182ھ) کے متعلق بھی بیان کیا گیا ہے۔ جب وہ مسجد نبوی میں خلیفہ ہارون الرشید کے ساتھ تھے تو وہاں ہارون نے وضو کرنے کے بعد پچھنے (Scarification) لگوائے جس سے اس کا خون نکلا، امام مالک بھی وہیں موجود تھے۔ حنفی مسلک کے مطابق ہارون کا وضو ختم ہو گیا تھا، اور مالکی فقہ کے مطابق

برقرار تھا۔ نماز خلیفہ نے پڑھائی اور قاضی ابو یوسفؒ نے بغیر کسی تذبذب کے نماز اسی کی اقتداء میں ادا کی جیسا کہ عبارت سے واضح ہے (فصلی خلفه و لم یعد)[17]

3۔ نظم اجتماعی کی اطاعت

اختلاف اس وقت فساد بن جاتا ہے جب ہر شخص اپنی رائے کو حتمی اور آخری قرار دے، اور دوسرے کی رائے کو ہر لحاظ سے غلط کہہ کر رد کر دے۔ یہی اختلاف فرقہ بندی ہے، قرآن جس کی مذمت کرتا ہے۔ ﴿وَلاَ تَكُونُواْ كَالَّذِينَ تَفَرَّقُواْ وَاخْتَلَفُواْ مِن بَعْدِ مَا جَاءهُمُ الْبَيِّنَاتُ وَأُوْلَئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ﴾[18]

(تم ان لوگوں کی طرح نہ ہو جانا جنہوں نے اپنے پاس روشن دلیلیں آجانے کے بعد بھی تفرقہ ڈالا اور اختلاف کیا، ایسے ہی لوگوں کے لیے عذاب عظیم ہے۔ مسلمانوں کو آپس کی گروہ بندی اور اختلاف میں گرفتار قوموں کے عبرتناک انجام کا حوالہ دے کر اس لعنت سے بچنے اور دور رہنے کی تلقین کی گئی ہے[19]۔ ایک اور مقام پر ارشاد ہے ﴿إِنَّ الَّذِينَ فَرَّقُواْ دِينَهُمْ وَكَانُواْ شِيَعًا لَّسْتَ مِنْهُمْ فِي شَيْءٍ﴾[20]

(بے شک جنہوں نے دین کو فرقہ بندی کی نذر کر دیا اور گروہ گروہ بن گئے، آپ ان سے لاتعلق ہیں)۔

کتاب اللہ کی رو سے ایسا اختلاف و فرقہ بندی عذاب الٰہی کی ایک شکل ہے جس کا ذکر سورۃ الانعام کی ۶۵ ویں آیت میں کیا گیا ہے۔ اس طرح کے اختلاف سے بچنے کے لئے اسلام اصولوں (قرآن و سنت) اور "نظم اجتماعی"۔۔۔۔ (State Authority) کے ساتھ وابستگی کو لازم کرتا ہے۔ ﴿وَاعْتَصِمُواْ بِحَبْلِ اللّهِ جَمِيعًا وَلاَ تَفَرَّقُواْ﴾[21] (اور اللہ کی رسی (قرآن) کو سب مل کر مظبوط تھام لو اور پھوٹ نہ ڈالو)۔ پیر کرم شاہ لکھتے ہیں کہ مسلم امہ کا یہ اتفاق واتحاد محض سطحی نہ ہو جسے کوئی تند و تیز لہر بہا کر لے جائے بلکہ مستحکم، حقیقی اور پائیدار بنیادوں پر ہو جس کی نشاندہی قرآن نے کی ہے[22] اور قرآن مسلمانوں کو اپنے قومی اور فروعی معاملات باہمی مشورے سے طے کرنے کا حکم دیتا ہے۔ ﴿ وَأَمْرُهُمْ شُورَى بَيْنَهُمْ ﴾[23] (اور وہ باہمی امور مشورے سے طے کرتے ہیں)

جب مشاورت ریاستی سطح پر ہوتی ہے تو ایک ادارہ وجود میں آتا ہے، جسے مجلس شوریٰ یا پارلیمنٹ کہا جاتا ہے۔ اس ادارے میں مسلمانوں کی اکثریت کی اختیار کردہ رائے ہی قومی وفروعی معاملات میں قانون بن جاتی ہے جس کی پابندی لازمی ہوتی ہے۔

آپ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے {مَنْ خَلَعَ يَدًا مِنْ طَاعَةٍ، لَقِيَ اللهَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ لَا حُجَّةَ لَهُ} تح[24] (جس نے بھی "امام" کی اطاعت سے اپنا ہاتھ کھینچ لیا، وہ قیامت کے روز اللہ سے بلا دلیل اعمال کے ساتھ ملاقات کرے گا)۔ روایت میں "امام" سے مراد کوئی فرد نہیں، بلکہ مسلمانوں کا "نظم اجتماعی" (State Authority) ہے، جسے حکمران یا پارلیمنٹ کے ذریعے استعمال کیا جاتا ہے۔ فقہاء نے اسی سے اصول وضع کیا ہے کہ "حکم الحاکم فی مسائل الاجتهادیرفع الخلاف"[25] (حاکم (Stare) کا حکم (Law) نزاع کو ختم کر دیتا ہے)۔

4۔خاندانی امن کا قیام

معاشرے کے امن کا انحصار خاندانی یا گھریلو امن پر ہے، جو معاشرے کی بنیادی اکائی (Basic Unit) ہے۔ یہ دو افراد، خاوند اور بیوی کے تعلق پر منحصر ہے۔ اسلام دونوں کو باہمی برداشت، اچھے سلوک اور رواداری کی تلقین کرتا ہے، تاکہ گھر کا ماحول پرامن ہو جائے۔ مرد چونکہ گھر کا کفیل ہوتا ہے، اس لئے قرآن وسنت میں زیادہ تر اسی کو مخاطب کیا گیا ہے۔ یا یوں کہہ لیجئے کہ اسلام عورت کی نسبت مرد کو زیادہ روادار اور بردبار (تحمل مزاج) بننے کی نصیحت کرتا ہے۔ قرآن حکیم میں مردوں کو حسن معاشرت کی تاکید کی گئی ہے ﴿وَعَاشِرُوهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ﴾[26] (اور اپنی بیویوں کو اچھی طرح سے رکھو)۔ سید صاحب لکھتے ہیں کہ زوجین کے باہمی تعلقات کی بنیاد انس و محبت اور ہمدردی وایثار ہے جو میاں بیوی کی مطلق رضامندی اور آزادی سے ممکن ہے۔[27] اسی طرح حدیث مبارکہ میں بھی تاکید آئی ہے {اطعموهن مما تأكلون و اكسوهن مما تكسون ولا تضربوهن ولا تقبحوهن}[28] (اپنے کھانے جیسا ہی اپنی بیویوں کو کھلاؤ، اپنے پہناوے جیسا ہی انہیں پہناؤ، انہیں مت مارو نہ ہی برا کہو)۔ رسول خدا نے بیویوں کو مارنے اور برا کہنے سے منع کرتے ہوئے مردوں کو یہ سمجھایا کہ مرد ان کی خامیوں اور لغزشوں کو برداشت کریں۔

حدیث مبارکہ میں کامل مومن کی خوبیوں میں ایک حسن اخلاق اور دوسری بیوی کے ساتھ اچھا برتاؤ ہے۔ {اكمل المئومنين ايمانا احسنهم خلقا و خياركم خياركم لنسائه خلقا }[29]

اسی طرح عورتیں بھی اپنے شوہروں سے حسن سلوک کریں، تاکہ باہمی برداشت سے گھر کا امن یقینی ہو سکے۔ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے {الدنيا متاع و خيرالمتاع المرأةالصالحة}[30] (دنیا متاع ہے اور بہترین متاع نیکوکار بیوی ہے)۔

5۔غصہ وناراضگی سے اجتناب

معاشرہ اس وقت فساد کی نذر ہو جاتا ہے جب معاشرے کے افراد اپنے غصے پر قابو نہیں پاتے، اور ایک دوسرے کی غلطیوں کو معاف نہیں کرتے۔ معاشرتی امن کے لئے قرآن حکیم غصے پر قابو پانے اور باہمی درگذر کی تلقین کرتا ہے۔

﴿ الَّذِينَ يُنفِقُونَ فِي السَّرَّاءِ وَالضَّرَّاءِ وَالْكَاظِمِينَ الْغَيْظَ وَالْعَافِينَ عَنِ النَّاسِ وَاللَّهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ﴾[31]

(جو لوگ آسانی و تنگدستی میں راہ للہ مال دیتے ہیں، اپنے آپ پر قابو رکھنے والے اور لوگوں سے درگذر کرنے والے ہیں، ایسے نیکوکاروں کو اللہ دوست رکھتا ہے)۔

سید صاحب لکھتے ہیں کہ نیک لوگ غیض وغضب کے نتیجے میں حسد اور بغض پیدا نہیں ہونے دیتے بلکہ دلوں میں پیدا ہونے والے کینے کو روحانی قوت سے قابو کرتے ہیں اور عفوودرگذر سے کام لیتے ہوئے غلطیوں کو معاف کر دیتے ہیں[32]

جو لوگ عقل اور علم کی کمی کی وجہ سے غلطیاں کرتے ہیں، قرآن انہیں معاف کرنے، ان کی تربیت اور درگذر کرنے کا خصوصی حکم دیتا ہے۔﴿خُذِ الْعَفْوَ وَأْمُرْ بِالْعُرْفِ وَأَعْرِضْ عَنِ الْجَاهِلِينَ ﴾[33] آپ درگذر اپنائیں، معروف کاموں کی تلقین کریں اور جہلا سے الگ ہو جائیں)۔

علامہ طبری لکھتے ہیں کہ اس آیت میں اللہ نے اپنے رسول کو ظالم کو معاف کرنے، محروم کرنے والے کو عطا کرنے اور قطع تعلّق کرنے والے کے ساتھ صلہ رحمی کرنے کا حکم دیا ہے[34] حدیث مبارکہ میں بہادر شخص کی نشاندہی یوں کی گئی۔ {ليس الشديد بالصرعة انماالشديد الذی يملك نفسه عند الغضب}[35] (دوسروں کو زیر کرنے والا بہادر نہیں بلکہ اپنے جذبات کو قابو میں رکھنے والا بہادر ہے)۔

انسانوں میں ذہنی تفاوت اور فکری اختلاف کی وجہ سے ناراضگی ہو جاتی ہے۔ اسلام اس ناراضگی کو جلد از جلد صلح میں بدلنے کا حکم دیتا ہے، تاکہ ناراضگی دشمنی میں نہ بدل جائے۔ حدیث مبارکہ ہے۔ {لا يحل لمسلم أن يهجر أخاه فوق ثلاث، يلتقيان: فيصد هذا ويصد هذا، وخيرهما الذي يبدأ بالسلام }[36] (کسی مومن کو یہ زیب نہیں دیتا کہ وہ تین یوم سے زیادہ اپنے بھائی سے ناراض رہے، کہ باہم ملنے پر ایک دوسرے سے رخ موڑ لیں اور سلام میں پہل کرنے والا ہی دوسرے سے افضل ہے)۔

اگر دو ناراض آدمی آپس میں راضی نہ ہو رہے ہوں تو دیگر افراد معاشرہ پر لازم ہے باہم صلح کروائیں۔﴿إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ إِخْوَةٌ فَأَصْلِحُوا بَيْنَ أَخَوَيْكُمْ ﴾[37] (یاد رکھو: سارے مومن آپس میں بھائی ہیں، پس اپنے دو بھائیوں میں صلح کرادیا کرو)۔ قاضی محمد ثناءُ اللہ لکھتے ہیں کہ آپس کے اختلاف کی صورت میں صلح کو ترجیح دینا باہمی محبت، صلہ رحمی اور رحم کرنے کا سبب ہے اور باہم رحم کرنا اللہ کی رحمت کا باعث ہے[38]

6۔ مقدمہ بازی سے اجتناب

اکثر ایسا ہوتا ہے کہ اختلافات مقدموں میں بدل جاتے ہیں، اور مقدمہ بازی دشمنی کی صورت اختیار کر لیتی ہے۔ دو افراد سے شروع ہونے والا جھگڑا دو گروہوں کی دشمنی بن جاتا ہے، جو اخوت و محبت کے ساتھ ساتھ مال اور وقت کے خاتمے کا سبب بنتا ہے۔

یہ واضح ہے کہ ایک فریق حق پر اور دوسرا باطل پر ہوتا ہے۔ صلح کی خاطر مقدمے سے دست بردار ہو جانے والے فریق کے لیے نجات کی بشارت ہے { من ترك وهو محق بنی له فی وسطهاو ومن حسن خلقه بنی له فی اعلاها}[39] (جو حق پر ہو اور مقدمہ چھوڑ دے (اپنے حق سے دست بردار ہو جائے) اس کے لئے جنت کے درمیان گھر بنایا جائے گا۔ اور جس کے اخلاق اچھے ہیں (مقدمہ بازی کی نوبت ہی نہ آنے دے) اس کے لئے جنت کے بلند مقام پر گھر بنایا جائے گا)۔

حق پر ہونے کے باوجود مقدمے سے دست بردار ہو جانا، دوسرے کو معاف کرنے کی ایک صورت ہے۔ امن کی خاطر معاف کرنا کوئی معمولی کام نہیں۔﴿ وَلَمَن صَبَرَ وَغَفَرَ إِنَّ ذَلِكَ لَمِنْ عَزْمِ الْأُمُور ﴾[40] (اور جو شخص صبر کرلے اور

معاف کردے یقینا یہ بڑے پر عزم کاموں میں سے ہے۔)۔ حتیٰ کہ قصاص کا قانون دینے کے باوجود عام حالات میں قتل میں بھی معافی کی تلقین کے ساتھ قاتل کو ہدایت کی گئی ہے کہ وہ خوش دلی کے ساتھ مقتول کے ورثاء کو دیت ادا کرے، تاکہ دشمنی محبت میں بدل جائے، اور بدامنی کی جگہ امن قائم ہو جائے۔

﴿ فَمَنْ عُفِيَ لَهُ مِنْ أَخِيهِ شَيْءٌ فَاتِّبَاعٌ بِالْمَعْرُوفِ وَأَدَاءٌ إِلَيْهِ بِإِحْسَانٍ ﴾[41]

(ہاں جس کسی کو اس کے بھائی کی طرف سے کچھ معافی دے دی جائے اسے بھلائی کی اتباع کرنی چاہیے اور آسانی کے ساتھ دیت ادا کرنی چاہیے)

قاضی محمد ثناء اللہ امر تسری لکھتے ہیں کہ تنگدستی کو موت کی ایک قسم کہا گیا ہے لہٰذا دیت کا قبول کرنا رب کی عطا کردہ آسانی اور مہربانی کو لے کر اس فعل شنیع (کہ اگر قتل کر دیں گے تو مارے جائیں گے) سے بچتے رہنا چاہیے[42]

7۔ مصلحت عامہ کا احترام

عوام میں رائج بعض رسوم و رواج کچھ طبیعتوں پر ناگوار گذرتے ہیں۔ لیکن شریعت مصلحت عامہ کے تحت ان کو برداشت کرنے کی تلقین کرتی ہے، بشرطیکہ یہ رسوم اصول دین کے خلاف نہ ہوں۔ کیوں کہ ان کی مخالفت اکثر فساد کا موجب بن جاتی ہے۔

قبل از بعثت اہل مکہ نے کعبہ کو نئے سرے سے بنایا، اور ابراہیمی تعمیر میں کچھ تبدیلیاں کر دیں۔ عمارت کا کچھ حصہ باہر نکال دیا جسے حطیم کہتے ہیں۔ دو دروازے تھے، قریش نے ایک کر دیا۔ عمارت کی کرسی اتنی اونچی کر دی کہ داخل ہونے کے لئے سیڑھی لگانی پڑتی تھی۔ آپ کی خواہش تھی کعبہ اصل ابراہیمی تعمیر پر ہو، ۸ھ کے بعد کعبہ آپ کی تولیت میں تھا، باوجود خواہش واختیار کے مصلحت عامہ کا احترام کرتے ہوئے، آپ نے اس تعمیر کو نہیں چھیڑا۔[43]

حدیث مبارکہ ہے (اے عائشہ! قریش کو مسلمان ہوئے تھوڑے ہی دن ہوئے ہیں، (اگر ان سے فساد کا اندیشہ نہ ہوتا تو) میں کعبہ کی عمارت کو از سر نو تعمیر کرتا، دو دروازے رکھتا، ایک داخل ہونے کے لئے اور ایک نکلنے کے لئے)[44]۔

خارجی امن

خارجی امن کے تین پہلو ہیں، ایک مسلم ریاست میں مسلمانوں اور غیر مسلموں میں باہمی امن کا قیام، اور دوسرا مسلم اور غیر مسلم ریاستوں میں عام حالات میں امن کا قیام، اور تیسرا حالت جنگ میں مسلم ریاست کا کردار۔

1۔ مسلم و غیر مسلم کے مابین باہمی امن کا قیام

چھٹی صدی عیسوی میں بحیثیت خاتم الانبیاء آپ مبعوث ہوئے۔ آپ سے پہلے بہت سارے مذاہب موجود تھے۔ یہودیت، مسیحیت، مجوسیت، ہندومت، بدھ مت اور شرک کو ماننے والے دنیا میں بکثرت پائے جاتے تھے۔ اسلام ان مذاہب میں ایک نئے مذہب کے طور پر ظہور میں آیا۔

ہر نیا مذہب دیگر مذاہب کا خاتمہ کر کے اس کی جگہ لینا چاہتا ہے۔ اور ہر داعیٔ مذہب یہ کوشش کرتا ہے کہ صرف اسی کی دعوت پھیلے اور روئے زمین پر چھا جائے۔ اس خواہش کی تکمیل کے لئے جہاں وہ دوسرے طریقے اختیار کرتا ہے، وہیں پہلے مذاہب کی تکذیب اور بانیان مذاہب کی تنقیص بھی کرتا ہے۔ لیکن اسلام اور داعیٔ اسلام کا دامن اس سے پاک ہے۔

مذہب کی بنیاد پر انسانوں نے اختلاف کر کے امن عالم کو فساد عالم میں بدل دیا تھا۔ اسلام عالمی امن کا داعی ہے، اور اسے قائم رکھنے کے لئے تمام مذاہب کے احترام کو جزو ایمان بناتا ہے، اور تمام بانیان مذاہب (انبیاء ورسل علیہم السلام) پر ایمان اور ان کے احترام کو لازمی کرتا ہے۔ اسلامی عقیدہ کی اساس اور وضاحت درج ذیل آیت مبارکہ سے واضح ہے ﴿ آمَنَ الرَّسُولُ بِمَا أُنزِلَ إِلَيْهِ مِن رَّبِّهِ وَالْمُؤْمِنُونَ كُلٌّ آمَنَ بِاللّهِ وَمَلآئِكَتِهِ وَكُتُبِهِ وَرُسُلِهِ لاَ نُفَرِّقُ بَيْنَ أَحَدٍ مِّن رُّسُلِهِ ﴾[45]

قرآن حکیم رسالت پر ایمان کو کسی خاص علاقے یا زمانے کے انبیاء کے ساتھ مخصوص نہیں کرتا، بلکہ روئے زمین پر آنے والے تمام رسولوں کو اس ایمان میں شامل کرتا ہے۔ ﴿ وَلِكُلِّ أُمَّةٍ رَّسُولٌ ﴾[46] (اور ہر امت کی طرف رسول بھیجا گیا)۔ ﴿ وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِي كُلِّ أُمَّةٍ رَّسُولاً ﴾[47] (اور ہر قوم کے لئے ایک ڈرانے والا آیا)۔ آپ ﷺ نے تمام انبیاء ورسل کی دعوت و تعلیمات کی تصدیق کرتے ہوئے اپنے پیروکاروں کو بھی اس عقیدے کا پابند کیا۔ ﴿ وَلَمَّا جاءَهُمْ رَسُولٌ مِّنْ عِندِ اللهِ مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَهُمْ ﴾[48]

(اور ان کے پاس اللہ کی طرف سے رسول آیا، جو پہلے سے موجود (وحی) کی تصدیق کرتا ہے)۔ جس مذہب کا یہ عقیدہ ہو، کیسے ممکن ہے کہ وہ دوسرے مذاہب برداشت نہ کرے اور مذہب کے نام پر امن کو تباہ کرے لہٰذا بین المذاہب امن قائم کرنے کے لئے اسلام نے جو اصولی ہدایات دیں ہیں وہ یہ ہیں:

i۔ مذہبی آزادی

اسلام عقیدے اور مذہب کو آزاد رکھتا ہے، اور ہر ایک کے اس حق واختیار کو تسلیم کرتا ہے کہ وہ اپنی مرضی و اختیار سے جو مذہب چاہے اختیار کرلے۔ ﴿ لاَ إِكْرَاهَ فِي الدِّينِ قَد تَّبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ﴾[49]

(دینی احکامات میں کوئی جبر زبردستی نہیں، ہدایت ضلالت سے الگ نمایاں ہے)۔ علامہ قرطبیؒ لکھتے ہیں مذہبی رواداری کے تحت دین کے معاملے میں غیر مسلم اور اہل کتاب پر کوئی زبردستی نہیں۔[50] اور قرآن کے نقطۂ نظر سے دین اختیار کرنے کا معاملہ خالص اللہ کے لئے ہے۔ ہر کوئی اپنے اختیار کردہ دین و عقیدہ کے لئے انسانوں کے سامنے نہیں اللہ کے سامنے جواب دہ ہے۔ ﴿أَلَا لِلَّهِ الدِّينُ الْخَالِصُ ﴾[51] (یاد رکھو! دین (کا معاملہ) خالص اللہ کے لئے ہے)۔

قرآن کریم رسول اللہ ﷺ کو مبلغ کے طور پر پیش کرتا ہے، مصیطر (داروغہ) کے طور پر نہیں۔ جس معاشرہ میں آپ ﷺ مبعوث ہوئے وہ ہر برائی کی آماجگاہ تھا، اور مخالفین ہر طرح سے آپ کے مقابلے پر آ گئے تھے۔ آپ ﷺ کو پیغام الٰہی پہنچانے کی یوں تلقین کی گئی۔ ۔ ﴿فَذَكِّرْ إِنَّمَا أَنتَ مُذَكِّرٌ-لَّسْتَ عَلَيْهِم بِمُصَيْطِرٍ-إِلَّا مَن تَوَلَّى وَكَفَرَ-فَيُعَذِّبُهُ اللَّهُ الْعَذَابَ الْأَكْبَرَ-إِنَّ إِلَيْنَا إِيَابَهُمْ-ثُمَّ إِنَّ عَلَيْنَا حِسَابَهُمْ ﴾[52]

(نصیحت کرتے رہیں کہ آپ ﷺ نصیحت کرنے والے ہی ہیں۔آپ ﷺ ان پر نگران نہیں ہیں۔ مگر رو گردانی کرنے والوں اور انکار کرنے والوں کو اللہ بڑا عذاب دے گا۔ بے شک انہوں نے ہماری طرف رجوع کرنا ہے، پھر ان کا حساب ہمارے ذمے ہے)۔" ﴿ فَإِنْ أَعْرَضُوا فَمَا أَرْسَلْنَاكَ عَلَيْهِمْ حَفِيظًا إِنْ عَلَيْكَ إِلَّا الْبَلَاغُ ﴾ "[53]

(پھر اگر یہ دین اسلام کے منکر ہو جائیں، تو ہم نے آپ ﷺ کو ان پر نگران بنا کر نہیں بھیجا، آپ ﷺ کا کام تو صرف ان تک دین پہنچا دینا ہے)۔

تبلیغ کے لئے بھی قرآن حکیم نے بحث و مباحثہ اور نزاع وجدال کے بجائے اس مکالمہ پر زور دیا ہے جو حکمت پر مبنی ہو۔﴿ادْعُ إِلِى سَبِيلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُم بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ ﴾[54]

(لوگوں کو اپنے رب کے راستے (دین) کی طرف حکمت اور نیک نصیحت سے دعوت دو۔ اور ان سے مکالمہ کرو تو بہت اچھے طریقے سے)

مولانا مودودی لکھتے ہیں کہ تبلیغ کے ناصح کی نوعیت محض مناظرہ بازی، عقلی کشتی اور ذہنی دنگل نہ ہو بلکہ شیریں کلامی، اعلی درجے کے اخلاق اور دل لگتے دلائل ہوں[55] حکمت اور موعظت کتنے جامع الفاظ ہیں۔ نہ تو دین کی دعوت کے لئے تلوار اٹھانے کا حکم دیا، اور نہ ہی مذہب میں داخل کرنے کے لئے تحریص ولالچ کا سہارا لینے کا کہا۔ یہ چیزیں گردن تو جھکا سکتی ہیں، زبان کو بند کر سکتی ہیں، لیکن دلوں کو فتح نہیں کر سکتیں۔ جب کہ اسلام کا مقصد در دل پر دستک دینا ہے، کہ دل جس چیز کو قبول کر لیتا ہے پھر کبھی اس سے نہیں پھرتا۔

اسلام نے مذہبی آزادی کو صرف نظریاتی حد تک بیان نہیں کیا، اس کی عملی صورت بھی واضح کی ہے۔ رسول خدا نے ہجرت کے فوراً بعد ریاست مدینہ کا جو دستور (میثاق) مرتب فرمایا اس میں مذہبی آزادی کی اس وقت ضمانت دی جب اطراف مدینہ میں معروف قبائل یہود آباد تھے۔ میثاق مدینہ میں آپ ﷺ نے ان تینوں قبائل کو شریک کیا، اور انہیں مذہبی آزادی کی ضمانت دیتے ہوئے لکھا" یہودی مذہبی حیثیت سے آزاد ہیں اس سلسلے میں ان سے کوئی تعرض نہ کیا جائے"[56]۔ گویا ریاست کے شہریوں کو مذہبی آزادی کی دستوری ضمانت دینا شرعی ہے۔

فتح مکہ کے بعد 9 ھجری غزوۂ تبوک سے واپسی پر آپ نے مدینہ کے قرب وجوار میں آباد عیسائی قبیلوں کے سرداروں سے امن کے معاہدے کئے، اور انہیں مکمل آزادی عطا کی۔ ایلہ کے سردار یوحنا نے آپ کو ایک سفید خچر تحفے میں دیا تو آپ نے جواباً اُسے چادر عطا فرمائی جو آپ خود اوڑھے ہوئے تھے۔[57] نجران کے عیسائیوں کو رسول خدا نے امن معاہدہ میں خط لکھ کر دیا کہ :" نجران کے عیسائی خدا اور اس کے رسول ﷺ کی حفاظت میں ہوں گے۔ اور یہ حفاظت ان کے حلیفوں اور ماتحتوں کے لئے بھی ہے جیسا کہ بشپ کو گرجا سے نکالنے اور راہب و کاہن کی عبادت میں خلل ڈالنے سے گریز کیا جائے"۔[58] امیر المؤمنین خلیفہ ثانی نے فلسطین میں ایلیا کے مسیحوں سے جو معاہدہ کیا تھا وہ قیام امن کے لئے اسلامی رواداری کی درخشاں مثال ہے۔ آپؓ نے انہیں جو تحریر دی اس کے الفاظ یہ تھے :" ایلیا کے باشندوں کو کی جان و مال، گرجوں اور صلیبوں کا خیال رکھا جائے گا۔ ہر شہری خواہ تندرست ہو یا بیمار ہماری امان میں ہو گا۔ ان کے گرجا گھروں کو رہائش گاہوں میں

تبدیل اور گرایا نہیں جائے گا۔ ان کی جائیدادوں اور صلیبیوں کو بھی کوئی نقصان نہ پہنچایا جائے، مزید ان پر مذہبی دباؤ بھی نہ ڈالا جائے اور پریشان بھی نہ کیا جائے"۔[59] اسلام کی دی ہوئی یہی وہ مذہبی آزادی اور رواداری تھی، جس کے باعث مسلمان ملکوں میں اسلامی سیاسی غلبے کے باوجود غیر مسلموں کی مذہبی زندگی اور تہذیب و تمدن برقرار رہا اور انسانیت کا امن و سکون قائم و دائم رہا۔ ہندوستان اور ہسپانیہ اس کی زندہ مثالیں ہیں کہ ہند میں مسلمانوں کو ایک ہزار سال تک سیاسی غلبہ رہا، ہندو اکثریت میں رہے اور ان کا تہذیب و تمدن بھی اسی طرح قائم رہا۔ ریاست میں ٹیپو سلطان کے عہد میں جہاں مسجدوں کے اخراجات ریاست ادا کرتی تھی وہیں مندروں کے اخراجات اور پنڈتوں کی تنخواہیں بھی سرکاری خزانے سے ادا کی جاتی تھیں۔[60]

ہسپانیہ میں تقریباً آٹھ سو سال تک مسلمانوں کا اقتدار قائم رہا۔ لیکن انہوں نے کبھی بھی جبر یا دباؤ سے غیر مسلموں کو مسلمان بنانے کی کوشش نہیں کی۔ ہسپانیہ کی فضاؤں نے مذہبی آزادی اور رواداری کا یہ منظر بھی دیکھا کہ کلیسا سے ناقوس کی آواز متصلہ مسجد کی اذان کے ساتھ بلند ہوتی تھی۔ اور یہی مذہبی آزادی اور رواداری امن کی ضامن ہے۔

2۔ عبادت گاہوں اور مذہبی شعار کا تحفظ:

اسلام دیگر مذاہب کے مقدس مقامات کے احترام کا حکم دیتا ہے۔ جس طرح مسلمانوں کے لئے مسجد مقدس مقام ہے اور اس کا احترام واجب ہے۔ اسی طرح دیگر مذہب کے پیروکاروں کے لیے ان کے مقدس مقامات محترم ہیں۔

﴿وَلَوْلَا دَفْعُ اللَّهِ النَّاسَ بَعْضَهُم بِبَعْضٍ لَّهُدِّمَتْ صَوَامِعُ وَبِيَعٌ وَصَلَوَاتٌ وَمَسَاجِدُ يُذْكَرُ فِيهَا اسْمُ اللَّهِ كَثِيراً ﴾[61]

(اگر اللہ تعالیٰ لوگوں کو آپس میں ایک دوسرے سے نہ روکتا رہتا تو عبادت خانے، گرجاگھر، یہودیوں کے معبد اور وہ مسجدیں بھی ڈھادی جاتیں جہاں اللہ کا نام بکثرت لیا جاتا ہے) بقول قاضی ثناء اللہ۔ ہر نبی کے دور میں مقدس مقامات کا احترام کیا جاتا رہا ہے[62]

آیت کی ترتیب قابل غور ہے، کہ قرآن حکیم ایسی کتاب ہے جو اسلام کی بنیاد ہے، اس میں دوسرے ادیان کی عبادت گاہوں کی حفاظت مسجدوں کی حفاظت سے مقدم ہے۔ گویا مسلمانوں کو، جو اس کتاب کے مخاطب ہیں، بتایا جا رہا ہے کہ وہ دوسرے مذاہب کی عبادت گاہوں کی حفاظت مسجدوں کی حفاظت سے بھی مقدم جانیں۔ امیر المؤمنین حضرت عمر (رضی اللہ عنہ) نے تو دنیا کے سامنے اس آیت کی عملی تفسیر پیش کر کے یہ ثابت کر دیا کہ اسلام محض چند نظریاتی یا علمی (Theoretical or Academics) مباحث کا دین نہیں ہے۔ آپؓ جب یروشلم تشریف لے گئے تو وہاں کے عیسائی بشپ سے گرجا میں بیٹھ کر مذاکرات کئے۔ بوقت نماز گرجے سے باہر آکر اس لیے آپ نے نماز ادا کی کہ مستقبل میں کہیں مسلمان گرجے کو مسجد میں تبدیل کرنے کا جواز نہ پیدا کر لیں"[63]۔

مشرک اقوام اللہ کے ساتھ دوسرے بہت سارے "خداؤں" کی بھی پوجا کرتی ہیں۔ اور یہ "خدا" ان کے مذہبی شعار ہیں۔ قرآن ان کو باطل کہتا ہے۔ لیکن ان کے ماننے والوں کے مذہبی جذبات کے احترام میں انہیں برا نہیں کہتا۔ اور یہ حکمت واضح کرتا ہے کہ اگر مشرکین کے باطل خداؤں کو برا کہا گیا تو وہ نادانی و دشمنی سے اللہ کو برا کہیں گے۔ لہٰذا ان کی دشمنی

سے بچا جائے اور رواداری و محبت قائم رکھی جائے۔﴿وَلاَ تَسُبُّواْ الَّذِينَ يَدْعُونَ مِن دُونِ اللّهِ فَيَسُبُّواْ اللّهَ عَدْوًا بِغَيْرِ عِلْمٍ ﴾[64] (اور گالی مت دو ان کو جن کی یہ لوگ اللہ کو چھوڑ کر عبادت کرتے ہیں کیونکہ پھر وہ براہ جہل حد سے گذر کر اللہ کی شان میں گستاخی کریں گے)۔ملاجیون لکھتے ہیں کہ مذھبی شعار کی پاس داری کا لحاظ رکھتے ہوئے معبودان باطل کو برا کہنا درست نہیں۔[65]قرآن حکیم کا یہ حکم، رواداری، محبت اور احترام کی برتر مثال ہے۔اور امن کے قیام وبقاء کی ضمانت ہی رواداری، محبت اور احترام سے ملتی ہے۔ اسلا کو یہ ہر گز برداشت نہیں کہ جوش عقیدت اور غلو میں آکر کوئی شخص دوسرے مذاہب کے "معبودوں" کے لئے نازیباالفاظ استعمال کرے۔ وہ باطل کو باطل کہتا ہے، جہالت کو جہالت کہتا ہے، کفر کو کفر اور گمراہی کو گمراہی ہی قرار دیتا ہے۔ لیکن اسے یہ تسلیم نہیں کہ حق کو ثابت کرنے کے لئے مکالمہ و دلیل کے علاوہ سب و شتم یا ہتھیار کا سہارا لیا جائے۔

3۔ مشترکہ اصول پر اتفاق

قرآن مجید ہدایت دیتا ہے کہ غیر مسلموں کے ساتھ ان اصولوں پر اتفاق کیا جائے جو تمام ادیان میں مشترک ہیں، تاکہ اتحاد و مکالمہ کی راہیں کھل سکیں۔﴿ قُلْ يَا أَهْلَ الْكِتَابِ تَعَالَوْاْ إِلَى كَلَمَةٍ سَوَاء بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ أَلاَّ نَعْبُدَ إِلاَّ اللّهَ وَلاَ نُشْرِكَ بِهِ شَيْئًا وَلاَ يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضاً أَرْبَابًا مِّن دُونِ اللّهِ ﴾[66]

(کہہ دیجئے! اے اہل کتاب ایسی انصاف والی بات کی طرف آو جو ہم میں تم میں برابر ہے کہ ہم اللہ تعالی کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں نہ اس کے ساتھ کسی کی شریک بنائیں۔نہ اللہ کو چھوڑ کر آپس میں ایک دوسرے کو ہی رب بنائیں)۔

آیت میں دو ایسے نکات پر اتفاق کی دعوت دی گئی ہے جو تمام مذاہب میں مشترک ہیں۔ ایک توحید اور دوسرا مساوات انسانیت۔ کہ کوئی شخص یا جماعت کسی فرد یا افراد کو اپنا الہ ورب نہ مانے، اور نہ کوئی انسانوں پر حاکمیت قائم کرکے انہیں اپنا غلام بنائے۔ بقول قاضی ثناءاللہ واجب الوجود ہونے میں کسی شخص کو بھی ہم اللہ کا شریک نہیں ٹھہراتے[67]

4۔ نیکی کے کاموں میں تعاون اور دوسروں کے اچھے اعمال کا اعتراف

ہجرت کے چھٹے سال قریش مکہ نے آپ اور آپؐ کے ساتھیوں کو مسجد الحرام میں داخل ہونے سے روک دیا تھا اور حدیبیہ کے مقام پر روک کر عمرہ ادا نہ کرنے دیا۔ جب مکہ فتح ہو گیا اور مسجد الحرام رسول اللہ ﷺ کی تولیت میں آگئی تو آپؐ کو حکم دیا گیا کہ جنہوں نے آپ کو مسجد الحرام سے روک کر مذہبی فریضہ ادا نہ کرنے دیا تو آپؐ اس حرکت کے جواب میں انہیں کسی سزا کا نشانہ نہ بنائیں، بلکہ ہر نیکی کے کام میں بلاامتیاز قوم و مذہب ہر ایک کے ساتھ تعاون کرنے والے ہو جائیں۔

﴿ وَلاَ يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَآنُ قَوْمٍ أَن صَدُّوكُمْ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ أَن تَعْتَدُواْ وَتَعَاوَنُواْ عَلَى الْبرِّ وَالتَّقْوَى وَلاَ تَعَاوَنُواْ عَلَى الإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ ﴾[68]

(جن لوگوں نے تمہیں مسجد حرام سے روکا تھا ان کی دشمنی تمہیں اس بات پر آمادہ نہ کرے کہ تم حد سے گذر جاو، نیکی اور پرہیزگاری میں ایک دوسرے کی امداد کرتے رہو اور گناہ اور ظلم و زیادتی میں مدد نہ کرو)۔ قاضی صاحب لکھتے

ہیں کہ مشرک قوم سے شدید بغض تمہیں عدل ترک کرنے پر برانگیختہ نہ کرے[69]۔ یعنی خواہ اپنا ہو یا غیر۔ مسلم ہو یا غیر مسلم کسی کے ساتھ بھی زیادتی نہ ہو۔

قرآن حکیم نے کتنا اعلیٰ وارفع اصول تمدن کی بنیاد کے طور پر قائم کر کے دنیا میں امن وآشتی کی اساس قائم کر دی ہے، کہ نیکی جہاں بھی ہے اس کے ساتھ تعاون کر کے اسے عام کرنا ہی اصل دین ہے۔ جس طرح قرآن نیکی میں تعاون کا حکم دیتا ہے اسی طرح لوگوں کے نیک اعمال کی بھی قدر کرتا ہے۔ اس سے بحث نہیں کہ وہ نیک اعمال کرنے والا کون ہے، اور کس مذہب کا ماننے والا ہے۔ قرآن حکیم ان مسیحوں کا تذکرہ تعریف کے ساتھ کرتا ہے جو اللہ کے سامنے عجز و نیاز اختیار کرتے ہیں۔ اور بتاتا ہے کہ وہ اہل ایمان کے قریب تر ہیں۔ ﴿وَلَتَجِدَنَّ أَقْرَبَهُمْ مَّوَدَّةً لِّلَّذِينَ آمَنُواْ الَّذِينَ قَالُوَاْ إِنَّا نَصَارَى ذَلِكَ بِأَنَّ مِنْهُمْ قِسِّيسِينَ وَرُهْبَانًا وَأَنَّهُمْ لاَ يَسْتَكْبِرُونَ ﴾[70] (اور ایمان والوں سے زیادہ دوستی کے قریب آپ یقیناً انہیں پائیں گے جو اپنے آپ کو نصاری کہتے ہیں، یہ اس لیے کہ ان میں علما اور عبادت کے لیے گوشہ نشین افراد پائے جاتے ہیں اور اس وجہ سے کہ وہ تکبر نہیں)۔

5۔ غیر مسلموں کے حقوق کا تحفظ واحترام

اسلام بلاامتیاز حقوق کی ادائیگی کی تلقین کرتا ہے۔ قانون کی خلاف ورزی پر جتنی اور جس طرح کی سزا ایک غیر مسلم کے لئے ہے، اتنی ہی اور اسی طرح کی سزا مسلمان کے لئے بھی ہے۔ جس طرح ایک مسلمان کو جان، مال، آبرو اور دین کے تحفظ کی ضمانت حاصل ہے، اسی طرح ایک غیر مسلم کے جان، مال، آبرو اور دین بھی محفوظ ہیں۔

اسلامی ریاست میں اگر غیر مسلم کسی مسلمان کے ہاتھوں قتل ہو جائے، تو اسلام غیر مسلم کے قصاص میں مسلم کے قتل کا حکم دیتا ہے۔ قصاص میں قرآنی اصول ﴿أَنَّ النَّفْسَ بِالنَّفْسِ﴾[71] (جان کا بدلہ جان ہی ہے) اور ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُواْ كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِصَاصُ فِي الْقَتْلَى﴾[72] (اے ایمان والو! ناحق قتل میں تم پر قصاص (خون کے بدلے خون) فرض کر دیا ہے۔ دونوں آیتوں میں "نفس" اور "القتلیٰ" کو عام بیان کیا گیا ہے۔ کہ مقتول جس بھی دین ومذہب سے تعلق رکھتا ہو اس کا قصاص لیا جائے گا۔ اور قاتل کوئی بھی ہو اسے قصاص میں قتل کیا جائے گا۔ کیونکہ مسلمانوں کی طرح غیر مسلم بھی محفوظ ہیں علامہ قرطبیؒ لکھتے ہیں کہ مسلمان کی طرح ذمی بھی محفوظ الدم ہے۔[73]

معروف حنفی مفسر وفقیہ علامہ جصاص ؒ (متوفی 370ھ) لکھتے ہیں کہ "مقتول غیر مسلم کے بدلہ میں قاتل مسلمان کا قتل واجب ہے۔ کیونکہ عام حقوق کی ادائیگی میں مسلم وغیر مسلم میں فرق نہیں۔ قصاص کا حکم دونوں پر جاری ہوگا[74]۔ اور اس کی دلیل رب ذوالجلال کا یہ فرمان ہے

﴿ وَمَن قُتِلَ مَظْلُومًا فَقَدْ جَعَلْنَا لِوَلِيِّهِ سُلْطَانًا ﴾[75]

(اور مظلوماً قتل کیے جانے والے کے حق میں ہم نے اس کے ولی کو قاتل سے بدلہ لینے میں مکمل اختیار دیا ہے)

مسجد مسلمانوں کا مقدس ترین مقام ہے۔اور اسلام شرک کو "نجس" ناپاک کہتا ہے۔ لیکن عقیدۂ شرک کی وجہ سے کسی غیر مسلم کو مسجد میں داخل ہونے سے نہیں روکتا، کیونکہ سب انسانوں کو بلاامتیاز بیت اللہ یعنی مسجد میں داخل ہونے کا حق حاصل ہے۔

۹ھ میں قبیلہ بنو ثقیف کے چند مشرکین آپ سے ملنے آئے۔ یہ لوگ کئی دن تک مسجد نبوی میں نصب شدہ ایک خیمہ میں قیام پذیر رہے [76]۔اسی سال ساٹھ لوگوں پر مشتمل نجران کے عیسائیوں کا ایک وفد بھی خدمت اقدس ﷺ میں آیا۔ وفد کی قیادت دو بڑے مذہبی راہنما "عاقب" اور "سید" کر رہے تھے۔آپؐ نے انہیں بھی مسجد نبوی ہی میں ٹھہرایا۔آپؐ نے انہیں مسجد ہی میں اپنے طریقے پر عبادت کرنے کی اجازت دی [77]۔ فقہاء اسلام نے آپ ﷺ کے اسی عمل کی بنیاد پر مساجد میں غیر مسلموں کے داخل ہونے کو جائز کہا ہے۔ [78]

6۔مسلمانوں کے صدقات میں غیر مسلموں کا حصہ

اسلام انسانیت کا دین ہے۔ یہ بلا تفریق مذہب و جنس تمام انسانوں کے ساتھ ہمدردی ورحمت کا درس دیتا ہے۔اپنے صدقات و خیرات سے معاشرے میں موجود غیر مسلم محتاجوں کی مدد کرنا مسلمانوں پر عائد ہے۔ اسلام کے ابتدائی دور میں مسلمان مشرکین کی مالی امداد کرنے سے کتراتے تھے تو وحی کے ذریعے تلقین کی گئی کہ: :﴿ لَّيْسَ عَلَيْكَ هُدَاهُمْ وَلَكِنَّ اللهَ يَهْدِي مَن يَشَاءُ وَمَا تُنفِقُواْ مِنْ خَيْرٍ فَلأنفُسِكُمْ ﴾[79] (اے نبی آپ پر ان کی ہدایت کی ذمہ داری نہیں، لیکن ہدایت تو رب کے چاہنے سے ملے گیاور جو تم بھلی چیز اللہ کی راہ میں دو گے اس کا فائدہ خود پاؤ گے) بقول قرطبیؒ اس آیت کے تحت مسلمان ذمی لوگوں میں سے فقرائ کو صدقہ دیتے رہتے تھے۔ [80]

علامہ جصاصؒ اور ابن کثیر لکھتے ہیں کہ مشرکوں اور کافروں کو صدقہ دینا جائز ہے، اگرچہ وہ دین اسلام کے پیرو نہ ہوں۔اور یہی رائے سلف کے ایک گروہ کی بھی ہے [81]۔علامہ جصاصؒ سورۃ الممتحنہ کی آیت سے بھی استدلال کرتے ہیں:

﴿ لَا يَنْهَاكُمُ اللَّهُ عَنِ الَّذِينَ لَمْ يُقَاتِلُوكُمْ فِي الدِّينِ وَلَمْ يُخْرِجُوكُم مِّن دِيَارِكُمْ أَن تَبَرُّوهُمْ وَتُقْسِطُوا إِلَيْهِمْ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِينَ ﴾[82]

(جن لوگوں نے تم سے دین کے بارے میں لڑائی نہیں لڑیاور تمہیں جلاوطن نہیں کیا ان کے ساتھ سلوک اور احسان کرنے اور منصفانہ بھلے برتاو کرنے سے اللہ تمہیں نہیں روکتا بلکہ اللہ توانصاف کرنے والوں سے محبت کرتا ہے)۔

وہ امام ابو حنیفہؒ کا قول تحریر کرتے ہیں کہ ضرور تمند ذمیوں (غیر مسلموں) کو کفارہ، نذر، صدقہ اور صدقۂ فطر کی رقمیں دینا جائز ہے۔ [83]

رسول اللہ ﷺ کے دور میں اہل مکہ کو غلہ کی فراہمی نجد سے ہوا کرتی تھی۔ رئیس نجد ثمامہ بن اثال نے اسلام قبول کرنے کے بعد مکہ کو غلہ کی فراہمی روک دی۔ جب آپؐ کو اس کی اطلاع ملی تو آپؐ نے ثمامہؓ کو پیغام بھیجا کہ اہل مکہ کا غلہ

فوراکھول دو[84]۔ایک سال مکہ میں شدت کا قحط پڑا رسول اللہ ﷺ نے رئیس مکہ ابوسفیان کو پانچ سو دینار کی امداد محتاجوں میں تقسیم کرنے کے لئے بھیجی، باوجود اس کے کہ اہل مکہ اس وقت مشرک اور آپ ﷺ کے شدید ترین مخالف تھے[85]۔

2۔ مسلم اور غیر مسلم ریاست کے درمیان عام حالات میں قیام امن

اسلام انسانوں کے باہمی رابطے اور امن کی بنیاد انسانیت پر رکھتا ہے۔زمین کے جس حصے میں بھی کوئی انسان آباد ہے، اسلام اسے رنگ، نسل، علاقے، اور مذہب سے ماوراء، انسانیت کی نظر سے دیکھتا ہے۔اسی انسانیت کو بیان کرتے ہوئے قرآن حکیم نے واضح اعلان کردیا کہ: ﴿يَا أَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُواْ رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُم مِّن نَّفْسٍ وَاحِدَةٍ وَخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالاً كَثِيراً وَنِسَاء ﴾[86] (اے لوگو! اپنے پروردگار سے ڈرو جس نے تمہیں ایک جان سے پیدا کیا اور اسی سے اس کی بیوی کو پیدا کرکے ان دونوں سے بہت سے مرد اور عورتیں پھیلادیں)۔انسانی زندگی کا مقصد ہی یہ ہے کہ لوگ برابری کی سطح پر ایک دوسرے کے قریب ہوں، ایک دوسرے سے متعارف ہوں تاکہ ان کے درمیان مخاصمت کی بجائے الفت، اور نفرت کی بجائے محبت پیدا ہو۔انسانوں کے درمیان محبت والفت ہی امن کی ضامن ہیں۔قرآن حکیم کا ارشاد ہے﴿يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاكُم مِّن ذَكَرٍ وَأُنثَى وَجَعَلْنَاكُمْ شُعُوبًا وَقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوا إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِندَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ﴾[87]

(اے لوگو! ہم نے تم سب کو ایک (ہی) مرد وعورت سے پیدا کیا ہے اور اس لیے کہ تم آپس میں ایک دوسرے کو پہچانو، کنبے اور قبیلے بنادیے ہیں۔اللہ کے نزدیک تم سب میں باعزت وہ ہے جو سب سے زیادہ ڈرنے والا ہے)۔

اسی انسانیت کی بنیاد پر اسلام مسلم وغیر مسلم ریاستی تعلقات کے لئے وہ راہنما اصول فراہم کرتا ہے، جو قرآن حکیم کی سورت الانفال کی آیات 73-72 سے ماخوذ ہیں۔ارشاد باری تعالیٰ ہے﴿إِنَّ الَّذِينَ آمَنُواْ وَهَاجَرُواْ وَجَاهَدُواْ بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنفُسِهِمْ فِي سَبِيلِ اللهِ وَالَّذِينَ آوَواْ وَّنَصَرُواْ أُوْلَئِكَ بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاء بَعْضٍ وَالَّذِينَ آمَنُواْ وَلَمْ يُهَاجِرُواْ مَا لَكُم مِّن وَلاَيَتِهِم مِّن شَيْءٍ حَتَّى يُهَاجِرُواْ وَإِنِ اسْتَنصَرُوكُمْ فِي الدِّينِ فَعَلَيْكُمُ النَّصْرُ إِلاَّ عَلَى قَوْمٍ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُم مِّيثَاقٌ وَاللهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ۔وَالَّذينَ كَفَرُواْ بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاء بَعْضٍ إِلاَّ تَفْعَلُوهُ تَكُن فِتْنَةٌ فِي الأَرْضِ وَفَسَادٌ كَبِيرٌ۔ ﴾[88]

آیات سے جو اصول اخذ ہوتے ہیں وہ یہ ہیں:

۱۔ مہاجرین اور ان کی مدد کرنے والے آپس میں ایک دوسرے کے دوست ہیں۔
۲۔ ہجرت نہ کرنے والے مسلمانوں کی ولایت سے ریاست کو کوئی سروکار نہیں
۳۔ بسلسلہ دین مسلمان ان کی مدد کریں۔
۴۔ اگر مسلم ریاست اور غیر مسلم ریاست کا آپس میں معاہدہ ہے تو پھر یہ مدد نہیں کرنی۔
۵۔ منکر حق باہم رفیق اور مومن باہم رفیق ہیں۔
۶۔ فتنہ وفساد کے خاتمے کے لیے مسلم ریاست پر ان اصولوں کی پابندی لازمی ہے

قرآن سے ماخوذ ان اصولوں کی رو سے دنیا تین حصوں میں تقسیم ہو جاتی ہے۔

ا۔ دارالاسلام

ب۔ دارالکفر (دارالحرب)

ج۔ دارالعہد

دارالاسلام کے شہریوں کو آپس میں باہم ولایت حاصل ہے۔ اور ولایت سے مراد حمایت، دوستی، نصرت، مدد گاری،، قرابت، سرپرستی، اور اس جیسے دوسرے مفہومات ہیں۔ پس ان نکات سے واضح ہے کہ ریاست اور شہریوں میں گہرا رشتہ ہوتا ہے۔ طور پر اس سے مراد وہ رشتہ ہے جو ایک ریاست کا اپنے شہریوں سے، اور شہریوں کا اپنی ریاست سے، اور خود شہریوں کا آپس میں ہوتا ہے۔ اور یہ آیت "دستوری وسیاسی" ولایت کو اسلامی ریاست کی ارضی حدود تک محدود کر دیتی ہے، اور ان حدود سے باہر کے مسلمانوں کو اس مخصوص رشتہ سے خارج کر دیتی ہے۔[89]

یہ آیت اسلامی ریاست کی خارجہ پالیسی کو بھی واضح کرتی ہے کہ اسلامی ریاست صرف اپنے باشندوں کی ذمہ دار ہے۔ لیکن اس کے باوجود وہ مسلم ریاست کے مسلم باشندوں کے ساتھ "دینی اخوت" کے رشتہ میں منسلک ہیں۔ مشکل وقت میں مسلم ریاست پر ان کی فرض ہے۔ لیکن یہ مدد بلا سوچے سمجھے نہیں کی جائے گی، بلکہ باہمی معاہدوں کا لحاظ رکھتے ہوئے مدد کی جائے گی۔ اگر مسلم ریاستوں کے مسلم اقلیت والی ریاستوں کے ساتھ معاہدے ہیں اور مدد سے ان معاہدوں پر زد پڑتی ہو تو پھر ہرگز خلاف ورزی نہ کی جائے گی۔ فرمان نبوی ہے: {انا بریءمن کل مسلم یقیم بین اظهرالمشرکین}[90] (میں بری الذمہ ہوں اس مسلمان سے جو مشرکین میں رہتا ہے)۔

آیت میں لفظ "میثاق" استعمال ہوا ہے، جس سے مراد معاہدہ، بھروسہ اور اعتماد ہے[91]۔ اور اس لفظ کا اطلاق بطریق احسن اعتماد کرنے پر ہوتا ہے کہ مسلم ریاست اور غیر مسلم ریاست میں جنگ نہیں اور یہ دارالحرب کی مثل نہیں ہے۔ قطع نظر کہ ان کے درمیان درم محاربہ کا کوئی معاہدہ ہوا ہے یا نہیں۔ اس طرح قرآن حکیم نے یہ اصول دے کر اس جھگڑے ہی کو ختم کر دیا جو عموماً پیچیدگیوں کا سبب بن کر بین الاقوامی امن کو تباہ کر دیتا ہے۔ جب کوئی ریاست اپنی حدود سے باہر رہنے والی اقلیتوں کا ذمہ اپنے سر لے لے تو ایسی الجھنیں پیدا ہو جاتی ہیں جن کو جنگیں بھی نہیں سلجھا سکتیں۔[92] عصر حاضر کی ساری ریاستیں باہمی معاہدوں میں وابستہ ہیں، تمام کے آپس میں سفارتی تعلقات ہیں، اور تمام غیر مسلم ریاستوں کی حیثیت دارالعہد کی ہے نہ کہ دارالحرب کی۔ اور قرآن حکیم یہ راہنما اصول فراہم کر کے عالمی امن کی ضمانت دیتا ہے۔

3۔ حالت جنگ میں مسلم ریاست کے لئے ہدایات

جنگ اور امن دو متضاد لفظ ہیں۔ اسلام جو امن کا علم بردار ہے، جنگ کا دین نہیں، یہ جہاد کا دین ہے۔ جنگ اور جہاد میں بنیادی فرق یہ ہے کہ جنگ تخریب ہے، بے رحمی ہے، اور وحشیانہ فعل ہے۔ جب کہ جہاد زندگی کا ایک ایسا لازمی جزو ہے جسے زندگی سے الگ کیا ہی نہیں جا سکتا۔

جہاد جدو جہد سے مشتق ہے، جس کا مطلب حصول مقصد کے لئے ان تھک محنت اور کوشش کرنا ہے[93]۔ صرف انسانی زندگی ہی نہیں بلکہ ساری کائنات کی زندگی ایک مسلسل جہاد ہے۔ دنیا کی ہر چیز شعوری یا لاشعوری طور پر اپنی بقاء اور ترقی کے لئے ہر لمحہ مصروف جہاد (جدوجہد) ہے، یہ جہاد خواہ اختیاری ہو یا اجباری۔ زمین میں بویا گیا ہر بیج کونپل بننے کے لئے جہاد کرتا ہے۔ ہر پودا برگ و بار لانے کے لئے مصروف جہاد ہے۔ اور ہر حیوان اپنی بقاء کی منزلیں طے کرنے کے لئے جہاد میں مصروف رہتا ہے، تو پھر انسان جہاد (جدوجہد) سے گریز کر کے اپنا مقصد کس طرح حاصل کر سکتا ہے؟ لیکن یہ فرق بھی ملحوظ رہنا چاہئے کہ جہاد صرف جنگ نہیں اور نہ ہی جنگ سراپا جہاد ہے۔ بلکہ جنگ تو جہاد کا محض ایک حصہ ہے، وہ بھی امن کے لئے۔ یہ وہی جنگ ہے جو بے رحمی کو رحم سے بدلنے کے لئے ہوتی ہے، جو وحشت و بربریت کو تہذیب سے بدل دیتی ہے، اور جو اپنی بقاء اور حفاظت کے لئے ہوتی ہے۔ قیام امن عالم اسلام کی اساس ہے، لہٰذا وہ جنگ کی اجازت تب دیتا ہے جب ظلم حد سے تجاوز کر جائے۔ انسانیت کو کمزور بنا کر غلام بنا دیا جائے، اور عقیدے اور مذہب کی فطری آزادی کو سلب کر لیا جائے۔ قرآن حکیم کا ارشاد ہے: ﴿ أُذِنَ لِلَّذِينَ يُقَاتَلُونَ بِأَنَّهُمْ ظُلِمُوا وَإِنَّ اللَّهَ عَلَى نَصْرِهِمْ لَقَدِيرٌ-الَّذِينَ أُخْرِجُوا مِن دِيَارِهِمْ بِغَيْرِ حَقٍّ إِلَّا أَن يَقُولُوا رَبُّنَا اللَّهُ وَلَوْلَا دَفْعُ اللَّهِ النَّاسَ بَعْضَهُم بِبَعْضٍ لَّهُدِّمَتْ صَوَامِعُ وَبِيَعٌ وَصَلَوَاتٌ وَمَسَاجِدُ يُذْكَرُ فِيهَا اسْمُ اللَّهِ كَثِيراً وَلَيَنصُرَنَّ اللَّهُ مَن يَنصُرُهُ إِنَّ اللَّهَ لَقَوِيٌّ عَزِيزٌ ﴾۔[94]

(جن (مسلمانوں) سے (کافر) جنگ کر رہے ہیں انہیں بھی مقابلے کی اجازت دی جاتی ہے کیونکہ وہ مظلوم ہیں۔ بے شک ان کی مدد پر اللہ قادر ہے۔ یہ وہ ہیں جنہیں ناحق اپنے گھروں سے نکالا گیا صرف ان کے اس قول پر کہ ہمارا پروردگار فقط اللہ ہے۔ اگر اللہ انسانی طاقت (کے توازن) کو ایک دوسرے سے دبا کر برابر نہ کرتا تو مسیحیوں کے گرجے، یہودیوں کے ہیکل، ترسا کے مندر، اور مسلمانوں کی مسجدیں جن میں بکثرت ذکر الٰہی ہوتا ہے سب کے سب منہدم کر دیئے جاتے)۔

پس جنگ کی اجازت اس وقت دی گئی کہ جب:

1۔ مظلوم و ستم رسیدہ مسلمانوں کی مدد کے لیے۔

2۔ یہی لوگ بلاوجہ اپنے گھروں، املاک اور اقرب سے الگ کر دیئے گئے۔

3۔ ان لوگوں (مسلمانوں) کا جرم صرف اتنا ہے کہ وہ اپنے عقیدے پر قائم ہیں، اور اپنے لئے مذہبی آزادی چاہتے ہیں۔

اور یہ اجازت اس لئے دی گئی کہ مظلوموں پر ہونے والی زیادتیوں اور ظلم کا ازالہ کیا جائے، کہ یہی جنگ کا درست استعمال ہے۔ اگر یہ نہ ہو تو تمام مذاہب کی عبادت گاہیں تباہ ہو جائیں اور مذہبی آزادی سلب ہو جائے۔ گویا جنگ کا مقصد مذہبی عبادت گاہوں کو گرانا نہیں، انہیں بچانا ہے، اور مذہب کو زبردستی مسلط نہیں کرنا، اسے آزاد کرنا ہے۔ چونکہ اسلام کی جنگ بھی قیام امن کے لئے ہے، اس لئے وہ اس کے خصوصی آداب مقرر کرتا ہے، تاکہ پرامن بقائے باہمی کا دامن میدان جنگ میں بھی نہ چھوٹنے پائے۔ وہ آداب یہ ہیں:

۱۔ جنگ صرف دشمن ہی کے خلاف لڑی جاسکتی ہے، اور اسی حد تک جانے کی اجازت ہے جس حد تک دشمن گیا ہے۔ ﴿وَإِنْ عَاقَبْتُمْ فَعَاقِبُواْ بِمِثْلِ مَا عُوقِبْتُم بِهِ﴾[95] (اگر بدلہ لو بھی تو بلکل اتنا ہی جتنا صدمہ تمہیں پہنچایا گیا ہو)

۲۔ اگر بغیر جنگ کیے مقصد مل جائے تو بہت بہتر ہے۔﴿ وَلَئِن صَبَرْتُمْ لَهُوَ خَيْرٌ لِّلصَّابِرِينَ ﴾[96] (اور اگر صبر و در گذر سے کام لو تو یہ تمہارے لئے اور بھی بہتر ہے)۔

۳۔ کسی حال میں بھی عدل وانصاف کو ترک نہ کرو۔

۴۔ کسی بھی صورت میں انسانی حدوں کو پامال نہ کیا جائے۔

اس کے علاوہ جو ہدایات آپ ﷺ نے مختلف حربی موقعوں پر دیں وہ بھی جنگ کے آداب ہیں اور ان کا مقصد بھی جنگ برائے تخریب نہیں بلکہ جنگ برائے امن ہے۔ان ہدایات میں سے اہم یہ ہیں کہ :

دوران جنگ بد عہدی اور خیانت نہ کی جائے، لاشوں کی بے حرمتی نہ کی جائے۔ راہبوں، مذہبی پیشواؤں اور گوشہ نشینوں کو نہ چھیڑا جائے، پھل دار اور سایہ دار درختوں کو نہ کاٹا جائے، عمارتوں کو نہ گرایا جائے، عورتوں، بچوں، بیماروں، بوڑھوں، اور نہ لڑنے والوں (Non Combatants) کو نہ چھیڑا جائے، اہل صنعت وحرفت، ہتھیار پھینکنے والوں، زخمیوں و قیدیوں کی گردن نہ اڑائی جائے اور دوڑنے والوں کا پیچھا نہ کیا جائے۔ اور صرف انہی سے لڑا جائے جو لڑنے کے لئے سامنے آئیں۔ [97] جنگ کے یہ آداب یہ واضح کرنے کے لئے کافی ہیں کہ اسلام میں جنگ در اصل امن قائم کرنے کے لئے ہے۔انسانیت کو وحشت و بربریت سے نکالنے کے لئے ہے۔ اور یہی جنگ اسلامی جہاد کا ایک جزو ہے۔ یہ صرف عمل جراحی (Surgery) ہے، کہ تھوڑی سی تکلیف اس لئے برداشت کر لی جائے کہ جسم بچ جائے۔ کیونکہ عارضی تکلیف کے بغیر مستقل آرام حاصل نہیں ہو سکتا۔

حواشی وحوالہ جات

۱۔ فرہنگ آصفیہ، دہلوی، مولوی سید احمد، ج1، ص283 ، مطبع رفاہ عام پریس، لاہور، 1908ء

۲۔ سورۃالحشر 23:59

۳۔ سورۃالنور 61:24

۴۔ سورۃالنساء 86:4

۵۔ سورۃالنساء 94:4

6۔ جامع الصحیح البخاری، امام ابو عبداللہ محمد بن اسماعیل بخاری، کتاب الایمان، باب ای الاسلام افضل، ض ا، ص ۱۵

۷۔ سورۃ ابراھیم 23:14

۸۔ سورۃالقدر ۹۷:۵

۹ ۔ سورۃ الحجرات:10:49
10 ۔ نورالیقین فی سیرت سیدالمرسلین، خضری بک، محمہ، ص545،، بیروت۔ حیات رسول امی، خالد مسعود، ص544، دار التذکیر لاہور
11 ۔ سورۃ محمد 24:47
12 ۔ سورۃ القمر: 40:54
13 ۔ جامع الصحیح البخاری، امام ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل بخاری، کتاب المغازی، باب مرجع النبی ﷺ من الاحزاب، ج۵، ص ۱۱۲
14 ۔ المیزان الکبریٰ، شعرانی، عبدالوہاب (متوفی 973ھ)، ج 1، ص45، دار الکتب العلمیہ، بیروت 2009ء
15 ۔ محولہ بالا
16 ۔ فتاویٰ الکبریٰ، ابن تیمیہ، تقی الدین احمد ابوالعباس (متوفی 728ھ)، ج2، ص318، دار الکتب العلمیہ، بیروت، لبنان 1978ء
17 ۔ مقدمہ تدوین فقہ، گیلانی، مناظر احسن (متوفی 1956ء)، ص209، مکتبہ رشیدیہ لاہور، طبع 1396ھ
18 ۔ سورۃ آل عمران:105:3
19 ۔ الازہری، پیر محمد کرم شاہ، ضیاالقرآن، ج ۱، ص ۲۶۱
20 ۔ سورۃ الانعام:159:6
21 ۔ سورۃ آل عمران: 103:3
22 ۔ الازہری، پیر محمد کرم شاہ، ضیاالقرآن، ج ۱، ص ۲۵۸
23 ۔ سورۃ الشوریٰ:38:42
24 ۔ صحیح مسلم، امام مسلم بن حجاج قشیری، کتاب الامارۃ، باب من فرق امر المسلمین وھو مجتمع، ج ۳، ص ۱۴۷۸
25 ۔ الفروق، القرافی، شہاب الدین ابی العباس احمد بن ادریس (متوفی 684ھ)، ج2، ص192، مؤسسۃ الرسالۃ، بیروت، لبنان، طبع 2003ء
26 ۔ سورۃ النساء: 19:4
27 ۔ شہید، سید قطب، فی ظلال القرآن، ج ۱، ص ۹۵۳
28 ۔ السنن الکبری للبیہقی، امام بیہقی، کتاب ا لنکاح، باب فی حق المرأۃ علی زوجھا، ج ۷، ص ۴۸۱
29 ۔ جامع ترمذی، امام ابوعیسی محمد بن عیسی، کتاب الرضاع، باب ماجاء فی حق المرأۃ علی زوجھا، ج ۴، ص ۳۹۰
30 ۔ صحیح مسلم، کتاب الرضاع، باب استحباب الوصیۃ بالنساء و ج ۲، ص ۱۰۹۰
31 ۔ سورۃ آل عمران:134:3
32 ۔ شہید، سید قطب، فی ظلال القرآن، ج ۱، ص ۹۵۳
33- سورۃ الاعراف:194:7
34 ۔ طبری، علامہ ابن جریر، تفسیر طبری، ج ۹، ص ۱۸۴
35 ۔ جامع صحیح البخاری، کتاب الاداب، باب الحذر من الغضب، ج ۸، ص ۲۸
36 ۔ جامع صحیح البخاری، باب الھجرۃ، ج ۸، ص ۵۳
37 ۔ سورۃ الحجرات:10:49
38 ۔ ثناء اللہ، قاضی محمد، تفسیر مظہری، ج ۹، ص ۷۳

[39]۔ ترمذی، کتاب البر والصلۃ، باب ماجاء فی المراء۔ ابوداؤد، باب فی حسن الخلق
[40]۔ سورۃالشوریٰ:43:42
[41]۔ سورۃالبقرہ:178:2
[42]۔ امر تسری، محمد ثناء اللہ، تفسیر ثنائی، ج ا، ص ۱۱۸
[43]۔ رحمت للعالمین، منصور پوری، محمد سلیمان سلمان قاضی (متوفی1930ء)،ج 1 ،ص 337 , شیخ غلام علی اینڈ سنزلاہور، طبع 1953ء
[44]۔ فتح الباری شرح صحیح بخاری، کتاب العلم، باب من ترک الاختیار مخافۃ ان ھقصر بعض الناس فی اشد منہ، ج ۳، ص ۲۱
[45]۔ سورۃالبقرہ:285:2
[46]۔ سورۃیونس ۱۰:۴۷
[47]۔ سورۃالنحل ۱۶:۳۶
[48]۔ سورۃالبقرہ ۲:۱۰۱
[49]۔ سورۃالبقرہ:256:2
[50]۔ قرطبیؒ، علامہ ابو بکر احمد بن محمد، ، ج ۲، ص ۳۴۳
[51]۔ سورۃالزمر:3:39
[52]۔ سورۃالغاشیۃ:88 :22-21
[53]۔ سورۃالشوریٰ:42: 48
[54]۔ سورۃالنحل:125:16
[55]۔ مودودی، سید ابو الاعلی، تفہیم القرآن، ج ۲، ص ۱۴۹
[56]۔ سیرت النبیؐ، شبلی نعمانی (متوفی1914ء)ج 1، ص296، مطبع معارف اعظم گڑھ، ہند 1962ء
[57]۔ محولہ بالا، ج 1، ص566
[58]۔ سیرت ابن ھشام، ابن ھشام، ابی محمد عبد الملک (متوفی 213ھ)، ج4، ص106, دار الجیل، بیروت لبنان
[59]۔ الفاروق عمرؓ، ہیکل، محمد حسین (متوفی1956ء)، ج 1، ص258، مکتبۃ النھضۃ المصریۃ، القاھرہ 1963ء
[60]۔ سیرت ٹیپو سلطان شہید، الیاس ندوی، مولانا، دیکھئے ص 441-434، مجلس تحقیقات و نشریات اسلام لکھنؤ، ہند، طبع دوم 1999ء
[61]۔ سورۃالحج:40:22
[62]۔ ثناء اللہ، قاضی محمد، تفسیر مظہری، ج ۶، ص ۴۱۸
[63]۔ الفاروق عمرؓ، ہیکل، محمد حسین، ج 1، ص 256-255
[64]۔ سورۃالانعام:109:6
[65]۔ امیٹھوی، ملا احمد جیون، تفسیرات احمدیہ، ص ۵۱
[66]۔ سورۃآل عمران:3: 64
[67]۔ ثناء اللہ، قاضی محمد، تفسیر مظہری، ج ۲، ص ۸۱
[68]۔ سورۃالمائدہ:۲:۵

69۔ ثناء اللہ، قاضی محمد، تفسیر مظہری، ج۲، ص۸۱

70۔ سورۃالمائدہ:5: 82

71۔ سورۃالمائدہ:45:5

72۔ سورۃالبقرہ ۲:۱۷۸

73۔ القرطبیؒ، الجامع لاحکام القرآن، ج ۱، ص۷۰۶

74۔ احکام القرآن، جصاص، ابو بکر احمد بن علی الرازی (متوفی 370ھ)، ج 1، ص164، داراحیاءالتراث العربی، بیروت لبنان 1992ء

75۔ سورۃ بنی اسرائیل:33:17

76۔ سیرت ابن ھشام، ج 2، ص32

77۔ تفسیر القرآن العظیم، ابن کثیر، ابوالفداء اسماعیل بن عمرو (متوفی 774ھ)، ج 1 ص578-577، دار طیبۃ ریاض 1999ء

78۔ احکام القرآن، جصاص، ج 1، ص164۔ اعلام الساجد باحکام المساجد، زرکشی، محمد بن عبداللہ (متوفی 794ھ) القاہرہ، طبع رابع 1996ء

79۔ سورۃالبقرۃ ۲:۲۷۲

80۔ القرطبیؒ، الجامع لاحکام القرآن، ج ۲، ص ۴۰۷

81۔ احکام القرآن، جصاص، ج 1، ص۵۴۷، تفسیر ابن کثیر، ج ۱، ص۵۰۷

82۔ سورۃالممتحنہ ۸:۶۰

83۔ احکام القرآن، جصاص، ج 1 ص547

84۔ جامع الصحیح البخاری، امام ابو عبداللہ محمد بن اسماعیل بخاری، کتاب المغازی، باب حدیث ثمامہ بن اثال، باب وفد بنی حنیفہ، حدیث ۴۳۷۲

85۔ سرخسی، امام محمد بن احمد شمس الدیں، المبسوط، ج ۱، ص ۹۲، دارالمعرفۃ بیروت لبنان

86۔ سورۃالنساء:1:4

87۔ سورۃالحجرات؛49: 13

88۔ سورۃالانفال:8:73- 72

89۔ دیکھئے تفہیم القرآن، مودودی، ابوالاعلی (1979ء)، ج2، ص161، ادارہ ترجمان القرآن، لاہور

90۔ السنن الترمذی، ابواب السیر، باب ماجاء فی کراھیۃ المقام بین اظھرالمشرکین، ج ۴، ص۱۵۵

91۔ معجم مفردات لالفاظ القرآن، اصفہانی، راغب ابوالقاسم الحسین بن محمد بن المفضل (متوفی 502ھ) ص548، دارالفکر، بیروت

92۔ دیکھئے مفاتیح الغیب (تفسیر کبیر)، رازی، فخر الدین (604ھ)، ج8، ص219-218، دارالفکر، بیروت 1981ء

93۔ افریقی، ابن منظور، لسان العرب، ج۳، ص ۱۳۳، بیروت لبنان

94۔ سورۃالحج:39-40:22

95۔ سورۃالنحل:126:16

96۔ محولہ بالا

97۔ دیکھئے مسلم، کتاب الجہادوالسیر، باب تحریم قیل النساء الصبیان، باب تائمیر الامام ووصیۃ ایاھم بآداب الغزو وغیرھا۔ مؤطا مالک، کتاب الجھاد، باب النھی عن قتل النساء والولدان۔ السنن لابی داؤد، کتاب الجھاد، باب فی دعاء المشرکین۔